جناب سیف اللہ خالد صاحب

اراکان اور برما میں مسلمانوں کی حالت زار

برما (میانمار) جنوبی ایشیا کا ایک اہم ملک ہے۔ اس کی آبادی چار کروڑ کے لگ بھگ ہے، جس میں آدھی (اکثریت) برمن نسل اور باقی مختلف نسلوں اور قبیلوں پر مشتمل ہے۔ مذہبی لحاظ سے برمن بودھ مت کے پیرو ہیں۔ دوسرا بڑا مذہب برما میں اسلام ہے جسکے ماننے والے کم و بیش پورے ملک میں پائے جاتے ہیں، مگر شمال مغربی سرحدی ریاست "اراکان" میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ان کے علاوہ ملک میں عیسائی، ہندو اور لامذہب یا مظاہر پرست وحشی قبائل بھی موجود ہیں۔ تیرہویں صدی عیسوی میں برما پر منگولوں نے قبضہ کرلیا تھا، پھر اس پر شان خاندان کا تسلط ہوا۔ ان سب کا تعلق چین سے تھا۔ سولہویں صدی عیسوی تک برما پر ان کی حکومت رہی۔ انگریزوں نے برما کو بتدریج تین جنگوں کے نتیجے میں فتح کیا تھا جو ۱۸۲۴ء سے شروع ہوئیں۔ ۱۸۸۶ء تک برما مکمل طور پر برطانوی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ اس وقت تک انگریز برصغیر پر بھی پورے قابض ہوچکے تھے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو کچلنے کے بعد اب کوئی طاقت ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے والی باقی نہ رہی تھی۔ انگریزوں نے برما کو ہندوستان کا حصہ بنادیا تھا۔ وائسرائے ہند برما پر بھی حکومت کرتا تھا، رنگون میں اس کا ایک نمائندہ ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۷ء میں برما کو انتظامی طور پر ہندوستان سے الگ کردیے جانے تک جاری رہا۔ اور جب ۱۹۴۷ء میں انگریز ہندوستان سے جانے پر مجبور ہوگئے تو ۴ جنوری ۱۹۴۸ء کو انہوں نے برما کو بھی آزادی دے دی۔ برما میں مسلمانوں کی آمد اسی دور میں شروع ہوگئی تھی جب وہ تجارت کی غرض سے عرب سے ہندوستان اور چین میں پہنچے۔ اس طرح کچھ عرب تجار برما میں بھی وارد ہوگئے تھے۔ برما میں بسنے والے سارے مسلمان عربی النسل نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق ترکوں، افغانوں، پشتونوں اور ایرانیوں سے بھی ہے علاوہ ازیں ہندوستان سے بھی ہزاروں مسلمان کاروبار اور ملازمت کےلئے برما میں وارد ہوئے۔ نصف صدی تک برما ہندوستان کا ایک انتظامی صوبہ رہا ہے، اس لئے ہندوستان اور برما میں آمدورفت میں کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی۔ رنگون، مانڈلے اور دیگر تمام شہروں میں برصغیر کے ہر صوبے اور علاقے کے مسلمانوں کی اکثریت یا قابل لحاظ آبادی رہی ہے۔ قصبات اور دیہات میں

قدیم بری مسلمان یا مخلوط النسل مسلمان جابجا بڑی تعداد میں بکھرے ہوئے تھے ۔ انگریزوں سے ملک کی آزادی کی تحریک میں مسلمان ہمیشہ صف اول میں اور جان ومال کی قربانی میں بھی وہ سب سے آگے رہے ۔

آزادی ملی تو اس کی نعمتوں میں برمن بودھ اکثریت نے اپنے ہم وطن مسلمانوں کی شراکت کو گوارا نہ کیا ۔ ان کے اخراج کی مہم سرکاری اور عوامی سطح پر شروع کردی گئی ۔ قتل عام ، جلاؤ گھیراؤ اور مارو اور بھگاؤ کے منظم منصوبوں پر عمل ہونے لگا جس کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمان تو جہاں سے آئے تھے بیشتر واپس چلے گئے ، مگر وہ قدیم عربی ، ایرانی اور ترکی نسل مسلمانوں کی باقیات کہاں جاتیں ؟ جو صدیوں سے اسی سرزمین میں رہتی اور بستی چلی آرہی ہیں ؟ اس طرح مخلوط النسل یا خالص بری مسلمانوں کے لئے بھی دنیا میں کہیں اور جائے پناہ نہیں ۔ لہذا ان سے مطالبہ کیا جانے لگا کہ " اگر تم کو اس ملک میں رہنا ہے تو اپنا مخصوص مذہب اور کلچر ترک کرکے اکثریتی دھارے میں شریک ہونا پڑے گا ۔ اپنے عربی نام بدل کر برمی نام رکھنے ہوں گے ۔ عورتوں کا پردہ ختم کرنا ہوگا اور یہ دن رات میں پانچ مرتبہ عبادت کے نام پر مسجد میں جمع ہونے اور قیمتی وقت کو ضائع کرنے کی عادت ختم کرنی ہوگی ۔ ملک کو اقتصادی ترقی کی ضرورت ہے جس کے لئے ہفتہ میں ایک دن ہماری طرح کچھ دیر کی عبادت کافی ہے ۔" اسی طرح حج پر یہ کہکر پابندی لگادی گئی کہ اس سے ملک کا قیمتی زرمبادلہ ضائع ہوجاتا ہے ۔ چنانچہ یہ عالمی ریکارڈ ہے اور سعودی وزارت حج نے ۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۲ء بیس سال تک ہرسال موسم حج کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ " برما سے ایک بھی مسلمان حج کےلئے نہیں آیا " ۔ اب گذشتہ چند برسوں سے گنتی کے مخصوص افراد کو سفرحج کی اجازت مل رہی ہے وہ بھی اس شرط اور غرض کے ساتھ کہ جانے والے حج کے عالمی اجتماع میں دوسرے مسلمانوں کو یہ باور کرائیں گے کہ " برما میں مسلمانوں کو ہرطرح کی معاشی ومذہبی آزادی حاصل ہے " سب وہاں چین کی بانسری بجا رہے ہیں اور امن اور خوشحالی کے سمندر میں غوطے لگا رہے ہیں ۔" ان دوررس منظم اور مؤثر اقدامات اور منصوبہ بند عمل کے نتیجے میں برما کو خاطرخواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے ۔ آزادی کے بعد برما میں مسلمانوں کی پہلی نسل عبداللہ عرف " کھن مونگ " بنی ..... دوسری نسل " چھن مونگ عرف " عبداللہ " ہوئی اور اب عرف سے بھی محروم ہوکر صرف " کھن مونگ " چھن مونگ رہ گئی ہے ، جسے نہ اپنے دین کا پتہ ہے اور نہ اپنی تاریخ اور اجداد کی خبر ۔ یوں برما میں مسلمان نام کو بھی باقی رہنے نہیں دیے گئے "

اراکان کا مسئلہ البتہ باقی برما سے مختلف ہے۔ اس کی مثال "کشمیر" کی ہے۔ تاریخی، تہذیبی اور جغرافیائی ہر لحاظ سے یہ ایک الگ خطہ ہے۔ برما کے ساتھ اراکان کا کوئی زمینی اتصال نہیں ہے۔ اراکان یوما نامی مشہور و بلند سلسلہ کوہ دونوں کے مابین حد فاصل ہے۔ اراکان سابق مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) سے متصل بیس ہزار مربع میل کا ایک ایسا خطہ ہے جس پر انگریزوں نے ۱۸۲۴ء میں قبضہ کیا تھا۔ یہ ایک مسلم سلطنت تھی۔ تقسیم کے طے شدہ اصول کے تحت اسے یا تو پاکستان کا حصہ بننا چاہئیے تھا یا پھر الگ ریاست انگریز اپنی مشہور حکمت عملی "لڑاؤ اور حکومت کرو" (DIVIDE AND RULE) جاتے جاتے بھی دکھاگئے اور اراکان کو برما کے حوالے کرگئے۔ سوشلزم کے نام سے بدنام زمانہ تشدد دیک جماعتی فوجی حکومت تو برما میں بہت بعد میں جنرل نے ون ۱۹۶۲ء میں لے کر آیا تھا۔ مگر اراکان تو نام نہاد آزادی کے روز اول سے مسلمانوں کے لئے ایک ایسا مجس اور مقتل بن گیا ہے کہ جس کی دیواریں کسی کو نظر تو نہیں آتی ہیں، مگر کوئی فرد بشر باہر سے اندر اور اندر سے باہر اپنی مرضی سے آسکتا ہے نہ جاسکتا ہے۔ گویا اہل ارکان کو.....

تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

رنگون میں حکومت سیاستدانوں کی ہو یا فوج کی یا ملی جلی، مسئلہ اراکان پر سب یک زبان اور متفق الرائے ہیں۔ اور وہ ہے "اراکان کے مسلمانوں کا ہر قیمت پر صفایا اور خاتمہ" اس مقصد کے حصول کیلئے گوناں گوں، مختصر اور طویل المعیاد منصوبے بنائے جاتے ہیں اور نہایت صبر، حکمت اور استقلال کے ساتھ عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے تمام ممکنہ وسائل اور ہمہ پہلو ذرائع بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ حسب ضرورت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق مسلمانان اراکان کا چھوٹے یا بڑے پیمانے پر قتل عام کیا جاتا ہے۔ ان پر تعلیم گاہوں کے دروازے بند ہیں، بلامعاوضہ جبری بیگار اور مشقت ان سے لی جاتی ہے۔ طبی سہولت نام کی کوئی چیز ان کیلئے نہیں ہے، مسلم بستیوں میں مصنوعی وبا اور بیماریاں پھیلائی جاتی ہیں۔ تھوڑے تھوڑے پھر کبھی واپس نہ آنے کی شرط پر مسلمانوں کے لئے غیر قانونی اخراج اور ترک وطن کے لئے دروازہ کھول دیا جاتا ہے مگر باب الداخلہ نہایت سختی کے ساتھ بند ہے جو ایک بار نکل گیا سو نکل گیا، واپسی کی صورت کوئی نہیں ہے۔ ایسی ہر کوشش کا انجام صرف موت ہے۔ یوں گذشتہ پچاس برسوں میں تقریباً بیس لاکھ مسلمانوں سے نجات حاصل کی جاچکی ہے۔ یہ محض اندازہ ہے۔ مستند اعداد وشمار دستیاب نہیں۔ تاہم ان سب حربوں اور کوششوں کے باوجود اتنے ہی مسلمان تاحال اراکان میں باقی رہ گئے ہیں۔ ہر چند سال

کے بعد بری حکومت کا پیمانہ صبر لبریز ہوجاتا ہے تو وہ مسلمانوں کے خلاف فوجی کاروائی شروع کردیتی ہے ..... قتل عام، انہدام اور آتش زنی پر مبنی اقدامات کے سبب دو، دو، تین، تین لاکھ مسلمان بیک وقت جلاوطنی پر مجبور ہوجاتے ہیں، مگر جائیں تو جائیں کہاں؟ اپنے پڑوسی مسلم ملک بنگلہ دیش میں جاکر پناہ لیتے ہیں۔ وہاں ان پر جو کچھ گزرتی ہے اور جو سلوک ہوتا ہے اس سے ایک دنیا واقف ہے اور اس کا بیان ہمارے آج کے موضوع سے خارج ہے۔ مختصراً یہ کہ ان پناہ گزینوں کے بارے میں بنگلہ دیشی عوام اور حکومت کا تبصرہ ہوتا ہے کہ "یہ غیر ملکی گھس پیٹھیے زیادہ کمانے اور عیش کرنے کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہماری اس جنت ارضی میں آگئے ہیں اور ہمیں میسر نعمت خداوندی میں زبردستی حصہ بٹانا چاہتے ہیں"۔ ان پناہ گزینوں کے خلاف ان کے بنگلہ دیشی مسلمان بھائی مظاہرے کرتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں، جلسے کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جلد سے جلد ان کو واپس بھگایا جائے۔ بہت سی سیاسی اور دینی جماعتیں اسے ایک انتخابی ایشو بھی بنالیتی ہیں اور برسراقتدار آتے ہی ان پناہ گزینوں سے چھٹکارا دلانے کے وعدے پر عوام کے ووٹ حاصل کرتی ہیں۔ اس دوران میں بنگلہ دیش کے قانون نافذ کرنے والے ادارے اور عوام بھی اپنے پناہ گزین اور اراکانی مسلمان بھائیوں کی وقتاً فوقتاً مناسب خاطر تواضع میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ ٹھیک ٹھاک خبر لیتے ہیں۔ بری حکومت کا دعویٰ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ "یہ سب ننگے بھوکے بنگلہ دیشی ہیں جو غربت وافلاس سے مجبور ہوکر چوری چھپے اراکان میں آگھستے ہیں اور یہاں بہنے والی دودھ اور شہد کی نہروں کو آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔ روک تھام پر یہ لوگ خود چلے جاتے ہیں ورنہ ہم انہیں باعزت طریقے سے واپس کردیتے ہیں"۔ اقوام متحدہ، یواین ایچ سی آر، ایمنسٹی اور اسی طرح کی بین الاقوامی تنظیمیں اور حقوق انسانی کے ادارے کبھی تو برما کی مذمت کرتے ہیں اور کبھی بنگلہ دیش کے غیرانسانی رویے اور غیر ہمدردانہ اقدامات پر اظہار افسوس کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اصل میں ہے کیا؟ اس پر کسی کی توجہ ہے اور نہ اس کے مستقل حل سے کسی کو کوئی دلچسپی ہے۔ کوئی ان پناہ گزینوں سے نہیں پوچھتا ہے کہ:

(۱) وہ کون ہیں؟ (۲) کہاں سے آئے ہیں؟ (۳) کیا تکلیف ہے؟ (۴) کیا چاہتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانان اراکان کو گذشتہ نصف صدی کے عرصے میں برما نے اس قابل رہنے ہی نہیں دیا ہے کہ وہ اپنا کیس مدلل طریقے سے علمی انداز میں کسی بین الاقوامی فورم میں پیش بھی کرسکیں۔ پے درپے سانحات اور انقلابات نے ان کو خوداعتمادی، عزت نفس، قومی تشخص اور خودداری کے احساس سے کلیتاً عاری اور بیگانہ کردیا ہے۔ ان میں جہالت اور ناخواندگی عام ہے،

اپنے انسانی حقوق کا بھی کوئی شعور نہیں ہے۔ ان کے دکھ درد اور مسئلہ کی ترجمانی کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ جو باصلاحیت تھے انہیں برما نے ختم کردیا یا پھر میزبان پناہ دہندہ ملک میں آنے کے بعد اس کی انتظامیہ نے ایسے لوگوں کا مؤثر علاج شروع کیا تو وہ ادھر ادھر چھپ گئے، منتشر اور غائب ہوگئے۔ بنگلہ دیش کے اپنے مفادات، مسائل اور اپنی مشکلات اور ترجیحات ہیں، اسے کسی درجہ میں بھی مسلمانان اراکان کی حالت زار سے کوئی ہمدردی اور ان کے وجود اور بقاء کے مسئلے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ حق تو یہ ہے کہ پناہ گزینوں کی آمد میں بھی اس کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہے، یہ بین الاقوامی امداد کا ایک اہم ذریعہ اور بہت سے بنگلہ دیشی باشندوں کی بےروزگاری کا علاج ہے کبھی کبھار کا واویلا تو محض " نرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز !" کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح سیاسی، دینی، فلاحی جماعتوں کا بھی انہیں بیس کے فرق کے ساتھ یہی حال ہے۔ مسلمانان اراکان کی داستان قریب الختم نظر آتی ہے۔ ان کی تحریک مزاحمت یا مسلح جہاد کی بھی دنیا میں کسی ملک اور قوم نے تائید اور حمایت نہیں کی، نہ خفیہ نہ علانیہ۔ پچاس سے زیادہ آزاد مسلم ملکوں کے حکمرانوں نے لاتعلقی اور چپ سادھ کر بالواسطہ بری استبداد کو تقویت پہنچائی ہے۔ اس دور میں ایک حکومت اور فوج کے ساتھ نہتے انسان کب تک مقابلہ جاری رکھ سکتے ہیں؟ افسوس ہمسایہ مسلم ملک سے تعاون تو دور کی بات ہے، الٹا ..... مجاہدین کے پاس کہیں کوئی ٹھکانہ اور جائے قرار نہیں ہے، دونوں طرف سے ان کے خلاف کاروائی کی جاتی ہے۔ اسکے باوجود انہوں نے ہتھیار نہیں ڈالے ہیں۔ اراکان کے پہاڑوں اور جنگلوں میں سربکف بے سروسامان مصروف جہاد ہیں اور بے مثل قربانیاں دے رہے ہیں۔ بلاشبہ وہ قابل مبارکباد ہیں، مگر کب تک؟۔ تاریخ میں بہت سی قوموں کا ذکر ملتا ہے جو اب کہیں نہیں پائی جاتیں، مٹ گئیں اور ختم ہوگئیں۔ اگر دنیا نے اور بالخصوص آزادی کی نعمتوں سے ہمکنار امت مسلمہ اور اسکے حکمرانوں نے لاتعلقی اور چشم پوشی کی یہ پالیسی برقرار رکھی تو فرق صرف اتنا ہوگا کہ اس بدقسمت قوم کا تاریخ میں بھی کوئی تذکرہ نہ ہوگا۔ بیرون اراکان مسلمان وقت کے ساتھ ساتھ منتشر ہوکر بکھر جائیں گے اور اندرون اراکان باقی ماندہ مسلمان منظم نسل کشی سے جو بچ جائیں گے وہ تہذیبی ارتداد کا شکار ہوکر رفتہ رفتہ بودھ مذہب اور ثقافت میں رنگ جائیں گے۔ بالکل بری مسلمانوں کی طرح (اللہ نہ کرے) اراکان میں بھی اندلس اور اسپین کی تاریخ دوہرائی جائے گی۔ حالات وواقعات اور شواہد وآثار کی روشنی میں یہ ہمارا خیال ہے مگر قضاوقدر کے فیصلے تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور مستقبل میں کیا کچھ ظہور میں آنے والا ہے یہ وہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف مسلمانان اراکان کی بلکہ پورے عالم اسلام کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)۔